QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

احکامِ سفر اور وطنِ اصلی: کلاسیکی فقہ اور معاصر اجتہادات کا تقابلی و تطبیقی مطالعہ

Rulings of Travel and the Original Homeland: A Comparative and Applied Study of Classical Jurisprudence and Contemporary Ijtihād

1. Sami Ur Rehman

PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Bahria University, E-8, Islamabad, Pakistan.

2. Dr. Syed Muhammad Shahid Termazi

Associate Professor & Head, Department of Islamic Studies, Bahria University, E-8, Islamabad, Pakistan.

Abstract

This article examines the jurisprudential foundations and contemporary applications of Islamic rulings on travel concessions (rukhaṣ al-safar) and permanent domicile (waṭan aṣlī). Classical Islamic law developed these rulings within stable patterns of residence and mobility; however, modern transportation and professional mobility have generated complex legal questions that classical texts do not address directly. The study systematically compares the four major Sunni schools regarding the legal definition of travel and the determination of domicile, with particular focus on the methodological divide between the Ḥanafī school, which grounds the definition of travel in duration, and the majority (jumhūr), which relies on measurable distance. The divergent practices of the Companions at Makkah after the Hijrah are examined as an early juristic precedent for later debates on domicile. Drawing on contemporary scholars including Ibn Bāz, Ibn ʿUthaymīn, and Wahbah al-Zuḥaylī, the article argues that professional travel does not invalidate travel concessions, that multiple permanent domiciles are juristically recognizable, and that marital affiliation alone does not establish permanent domicile without explicit intention of settlement. The study concludes that classical Islamic jurisprudence possesses sufficient methodological flexibility to accommodate modern mobility while preserving its foundational principles.

***Key Words**: Travel concessions, permanent domicile, classical jurisprudence, contemporary ijtihād, comparative study, rukhaṣ al-safar, waṭan aṣlī*

تعارف

اسلامی شریعت کی بنیاد آسانی اور تنگی دور کرنے پر ہے، اور سفر چونکہ مشقت کا ایک ذریعہ ہے، اس لیے اسلام نے مسافر کو متعدد رخصتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان میں نماز میں قصر، حالتِ سفر میں روزہ مؤخر کرنے کی گنجائش، اور موزوں پر مسح کی مدت میں وسعت جیسے احکامات شامل ہیں۔ یہ رخصتیں محض قانونی رعایتیں نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے سہولت پیدا کرنے کا ایک رستہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ[1] اور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُهُ كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى عَزَائِمُهُ[2] یعنی: "بے شک اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی عزیمتوں (فرائض) پر عمل کو پسند فرماتا ہے، اسی طرح اپنی دی ہوئی رخصتوں پر

[1] النساء: ۱۰۱

[2] أبو بكر بن أبي شيبة، الأدب، (بيروت: دار البشائر الإسلامية، ١٤٢٠هـ / ١٩٩٩م)، ح ١٩٥

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

عمل کیا جانا بھی اسے محبوب ہے۔"ان رخصتوں کے عملی اطلاق اور ان سے استفادہ کرنے کا دارومدار اس بنیادی شرعی نکتے پر ہے کہ کوئی شخص 'فقہی' اعتبار سے مسافر کب کہلاتا ہے اور کب نہیں۔ اس مسئلے کا براہِ راست تعلق "وطنِ اصلی" اور "وطنِ اقامت" کے درست تعین سے ہے۔ کلاسیکی فقہ کے دور میں جب ذرائع آمد و رفت محدود تھے اور انسانی نقل مکانی کے مقاصد واضح ہوتے تھے، یہ مسئلہ نسبتاً سادہ تھا؛ یعنی ایک شخص یا تو اپنے مستقل مقامِ سکونت میں ہوتا تھا یا پھر حالتِ سفر میں۔

تاہم، عصرِ حاضر کی معاشی ترقی، تیز رفتار ذرائع مواصلات اور سماجی زندگی کی پیچیدگیوں نے ایسی نئی صورتیں پیدا کر دی ہیں جن پر کلاسیکی فقہ کی مخصوص مثالوں کا من وعن اطلاق اب کافی مشکل محسوس ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ پیشہ ور ڈرائیور یا پائلٹ جو اپنی ملازمت کی نوعیت کی وجہ سے روزانہ سینکڑوں کلومیٹر کا سفر طے کرتے ہیں، وہ تاجر جن کی کاروباری سرگرمیاں انہیں ہر چند روز بعد مختلف شہروں میں مقیم رکھتی ہیں، وہ سرکاری یا نجی ملازمین جن کے متعدد شہروں میں گھر اور دفاتر موجود ہیں، یا وہ افراد جو اپنے سسرال یا آبائی وطن میں طویل قیام کرتے ہیں، یہ تمام عصری صورتیں ایسے پیچیدہ سوالات کو جنم دیتی ہیں جن کا حل روایتی فقہی مسائل کی روشنی میں نئے اجتہاد کا تقاضہ کرتا ہے۔ یہ مقالہ انہی بدلتے ہوئے حالات میں سفر کے احکام اور وطنِ اصلی کے تصور کی وضاحت اور ان کی جدید تطبیق کی ایک علمی کوشش ہے۔

سفر کی شرعی تعریف اور مسافت کی تعیین میں فقہاء کے اقوال

۱۔ احناف کا موقف

احناف کے نزدیک شرعی سفر کی مسافت کا معیار زمان (وقت) ہے، یعنی تین دن اور تین راتوں کی پیدل چال۔ اس کی مقدار کی تحدید میں پندرہ سے اٹھارہ فرسخ کے اقوال ملتے ہیں۔ علامہ ابنِ عابدینؒ نے 'ردالمختار' میں اس کی وضاحت یوں کی ہے:

مَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا بِسَيْرِ الْإِبِلِ وَمَشْيِ الْأَقْدَامِ، وَهُوَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ فَرْسَخًا عِنْدَ مُحَمَّدٍ، وَخَمْسَةَ عَشَرَ فَرْسَخًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ[3]۔

"سفر کی مسافت تین دن اور تین راتوں کی پیدل چال یا اونٹوں کی معمول کی رفتار کے برابر ہے۔ یہ مسافت امام محمدؒ کے نزدیک اٹھارہ فرسخ، جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پندرہ فرسخ بنتی ہے۔"

احناف نے اپنے اس موقف اور مسافتِ سفر کی بنیاد اس حدیثِ مبارکہ پر رکھی ہے جس میں سفر کے لیے تین دن اور تین راتوں کی قید لگائی گئی ہے؛ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ[4]

"عورت تین راتوں سے زیادہ کا سفر کسی محرم کے بغیر نہ کرے۔"

[3] ابنِ عابدین، ردّ المحتار علی الدر المختار، (دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ)ج۲، ص۱۲۱،

[4] محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، بَابٌ فِي كَمْ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا وَلَيْلَةً سَفَرًا وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ يَقْصُرَانِ وَيُفْطِرَانِ فِي أَرْبَعَةِ بُرُدٍ وَهْيَ سِتَّةَ عَشَرَ فَرْسَخًا (دار طوق النجاة – بيروت، ١٤٢٢)، ح ١٠٨٦

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

اس نص سے استدلال کی اصولی وجہ یہ ہے کہ احناف کی نظر میں یہ روایت سب سے زیادہ مبنی بر احتیاط ہے۔ چونکہ احادیث میں سفر کی مختلف مدتیں (ایک دن، دو دن، یا تین دن) منقول ہیں، اس لیے رخصتِ سفر میں احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ سب سے طویل مدت کو معیار بنایا جائے تاکہ حکمِ قصر یقینی ہو جائے۔ اسی بنا پر انہوں نے بنیادی معیار "تین دن کی پیدل چال" (زمان) کو قرار دیا، جبکہ فرسخوں کی تعداد (مکان) کو اس کے تابع رکھا ہے تاکہ جغرافیائی تفاوت کے باوجود اصل علت (وقت) برقرار رہے۔

۲. مالکیہ کا موقف

مالکیہ کے ہاں سفر کی معتبر مسافت چار برید یعنی سولہ فرسخ ہے۔ ابنِ رشد الجدؒ نے 'المقدمات الممهدات' میں تحریر کیا ہے:

وَأَمَّا مَسِيرَةُ السَّفَرِ الَّتِي يَتَرَخَّصُ فِيهَا بِالْقَصْرِ وَالْفِطْرِ، فَهِيَ أَرْبَعَةُ بُرُدٍ، وَذَلِكَ سِتَّةَ عَشَرَ فَرْسَخًا[5]

"جہاں تک اس سفر کی مسافت کا تعلق ہے جس میں قصرِ نماز اور روزہ نہ رکھنے کی رخصت میسر آتی ہے، تو وہ چار برید ہے، جو کہ سولہ فرسخ کے برابر بنتی ہے۔"

مالکیہ نے رخصتِ سفر کے لیے اس سولہ فرسخ کی مسافت کو شرعی معیار قرار دینے کی بنیاد اس حدیثِ مبارکہ پر رکھی ہے جس میں دو دن کی مسافت کا ذکر آیا ہے؛ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ مَسِيرَةَ يَوْمَيْنِ إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ[6]

”عورت دو دن کا سفر بغیر شوہر یا محرم کے نہ کرے۔“

مالکیہ کا اصولی موقف ہے کہ دو دن کی مسافت والی یہ اصل روایت اور امام بخاریؒ کے قائم کردہ باب میں مذکور چار برید کی مسافت دراصل ایک ہی مقدار اور فاصلے کو بیان کرتی ہے۔ چونکہ امام بخاریؒ نے صراحت کی ہے کہ سیدنا ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم چار برید پر قصر فرماتے تھے، اس لیے مالکیہ کے نزدیک یہی شرعی سفر کا معتبر اور حقیقی معیار بنتا ہے۔ انہوں نے اسی بنیاد پر سولہ فرسخ یعنی چار برید کو مسافتِ قصر قرار دیا ہے اور رخصتِ سفر کا مدار اسی پر رکھا ہے۔

۳. شوافع کا موقف

شافعیہ بھی چار برید (سولہ فرسخ) کی مسافت کے قائل ہیں، جو جدید پیمائش کے مطابق تقریباً ۸۹ کلومیٹر بنتی ہے۔ امام نوویؒ نے 'المجموع' میں لکھا ہے:

وَأَمَّا الْمَسَافَةُ الَّتِي يَجُوزُ فِيهَا الْقَصْرُ فَأَقَلُّهَا مَرْحَلَتَانِ، وَهُمَا أَرْبَعَةُ بُرُدٍ، وَكُلُّ بَرِيدٍ أَرْبَعَةُ فَرَاسِخَ، فَيَكُونُ سِتَّةَ عَشَرَ فَرْسَخًا[7]

"قصرِ نماز کی اجازت کے لیے کم از کم مسافت دو مرحلے ہے، جو چار برید کے برابر ہے۔ چونکہ ہر برید چار فرسخ کا ہوتا ہے، اس طرح کل مسافت سولہ فرسخ قرار پاتی ہے۔"

---

[5] ابنِ رشد الجد، المقدمات الممهدات، دار الغرب الإسلامي، بيروت، ١٤٠٨ھ ج١، ص٢٢٤،

[6] محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، باب الصوم يوم النحر، ح ١٩٩٥

[7] النووي، المجموع شرح المهذب، دار الفكر، بيروت ، ج٤، ص٣٢٢،

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

شوافع کے نزدیک بھی اصل معیار فاصلہ (۱۶ فرسخ) ہی ہے، جس پر نماز میں قصر اور روزوں کی قضا جیسے احکام مرتب ہوتے ہیں۔
شوافع اپنے اس موقف کی تائید اور استدلال میں امام ابو بکر بیہقی کی السنن الکبریٰ میں منقول اس مستند روایت کو پیش کرتے ہیں:

''أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ كَانَا يُصَلِّيَانِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، وَيُفْطِرَانِ فِي أَرْبَعَةِ بُرُدٍ فَمَا فَوْقَ ذَلِكَ''[8]

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم چار برید یا اس سے زیادہ کی مسافت پر دو دو رکعتیں (قصر) پڑھتے تھے اور روزہ افطار کرتے تھے۔"

شوافع کے نزدیک اس روایت سے یہ اصولی نکتہ ثابت ہوتا ہے کہ اصل شرعی معیار فاصلہ یعنی سولہ فرسخ ہی ہے، کیونکہ جلیل القدر صحابہ کرام نے اسی متعین فاصلے پر قصر اور افطار جیسے احکام کا مدار رکھا ہے۔ چنانچہ اسی پختہ مآخذ کی بنیاد پر شوافع کے ہاں نماز میں قصر اور روزوں کی قضا یا رخصت جیسے تمام سفری احکام اسی طے شدہ فاصلے پر مرتب ہوتے ہیں۔

٤. حنابلہ کا موقف

حنابلہ بھی مسافتِ سفر کے معاملے میں سولہ فرسخ کے موقف کی تائید کرتے ہیں۔ امام ابنِ قدامہؒ 'المغنی' میں رقمطراز ہیں:

وَمَسِيرَةُ يَوْمَيْنِ قَاصِدَيْنِ مُعْتَدِلَيْنِ بِسَيْرِ الْأَثْقَالِ وَدَبِيبِ الْأَقْدَامِ، وَهُوَ سِتَّةَ عَشَرَ فَرْسَخًا، أَوْ أَرْبَعَةُ بُرُدٍ[9]

"دو معتدل دنوں کی مسافت، جیسا کہ بوجھ لدے ہوئے قافلے یا عام پیدل مسافر طے کرتے ہیں؛ یہ سولہ فرسخ یا چار برید کے برابر ہے۔"

حنابلہ نے اپنے اس موقف کی اثبات کے لیے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دن ایک رات کا ذکر کرنے والی اصل روایت دونوں سے استدلال کیا ہے؛ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ

اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ ایک دن اور ایک رات کی مسافت کا سفر کرے جبکہ اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو۔

حنابلہ نے سیدنا ابوہریرہؓ کی اس ایک دن اور ایک رات والی روایت کو عملی طور پر سولہ فرسخ کی مسافت کے ساتھ جوڑا اور اسے ہی شرعی معیارِ سفر قرار دیا۔ اس تطبیق کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام ابنِ قدامہؒ نے المغنی میں صراحت کی ہے کہ دو معتدل دنوں کی مسافت یعنی سولہ فرسخ اور یہ حدیث دراصل ایک ہی مقدار اور فاصلے کو بیان کرتے ہیں، کیونکہ اونٹ یا پیدل مسافر کے لیے دو دن کا وہ سفر جس میں رات کو آرام کیا جائے، یا ایک دن اور ایک رات کا مسلسل سفر، طے شدہ فاصلے کے لحاظ سے برابر ہی ہوتا ہے۔ مسافتِ سفر کے تعین میں فقہاء کرام کے مابین جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی

[8] أبو بكر أحمد بن الحسين، السنن الكبرى، (دار الكتب العلمية، بيروت، ٢٠٠٣)، ح ٥٣٩٧

[9] ابنِ قدامة، المغني، مكتبة القاهرة، ١٣٨٨هـ ، ج٢، ص٢٥١،

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

نوعیت محض عددی یا حسابی نہیں بلکہ بنیادی طور پر اصولی اور منہجی ہے۔ ہر مکتبِ فکر نے احادیثِ مبارکہ میں وارد مختلف تعبیرات کو اپنے اپنے اجتہادی اصولوں کے تحت پرکھا اور اس کی روشنی میں اپنا موقف قائم کیا ہے۔ احناف کا موقف جمہور سے نمایاں طور پر مختلف ہے۔ ان کے نزدیک سفر کی اصل بنیاد زمان یعنی وقت ہے، اور انہوں نے تین دن اور تین راتوں کی پیدل مسافت کو شرعی سفر کا معیار قرار دیا ہے۔ اس کی مقدار امام محمدؒ کے نزدیک اٹھارہ فرسخ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پندرہ فرسخ بنتی ہے۔ احناف نے اس موقف کی بنیاد اس حدیث پر رکھی جس میں تین دن کی مدت کا ذکر آیا ہے اور ان کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ مختلف احادیث میں سفر کی الگ الگ مدتیں منقول ہیں، اس لیے رخصت کے باب میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ سب سے طویل مدت کو بنیاد بنایا جائے۔ فاصلے کی تحدید انہوں نے اس وقت کے تابع رکھی ہے، یعنی مسافت اصل نہیں بلکہ وقت اصل ہے اور مسافت اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ تینوں مکاتبِ فکر اس بات پر متفق ہیں کہ شرعی سفر کا معتبر معیار فاصلہ ہے، اور وہ فاصلہ سولہ فرسخ یعنی چار برید ہے۔ جدید پیمائش کے مطابق یہ تقریباً اٹھاسی سے نوے کلومیٹر بنتا ہے۔ مالکیہ نے دو دن کی مسافت والی روایت اور سیدنا ابنِ عمر اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہم کے عمل کو بنیاد بنایا۔ شافعیہ نے بھی انہی صحابہ کرام کے اثر کو حجت قرار دیا کہ وہ چار برید پر قصر فرماتے اور روزہ افطار کرتے تھے۔ حنابلہ نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت والی روایت کو سولہ فرسخ کے مساوی قرار دے کر دونوں کے مابین تطبیق دی۔

غرض یہ کہ اس پورے اختلاف کی جڑ یہ ہے کہ سفر کی تعریف کا مدار کس چیز پر ہو۔ احناف کے نزدیک وقت اصل ہے اور فاصلہ اس کا تابع، جبکہ جمہور کے نزدیک فاصلہ خود ایک مستقل اور ثابت معیار ہے جس پر سفری رخصتوں کا دار و مدار ہے۔ یہی وہ اصولی فرق ہے جو دونوں طرف کے عملی احکام اور فقہی نتائج میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔

وطنِ اصلی کے حوالے سے مختلف مکاتبِ فکر کی آراء

وطنِ اصلی سے مراد وہ جگہ یا علاقہ ہے جہاں انسان کی پیدائش ہوئی ہو یا جہاں اس نے مستقل سکونت اختیار کر لی ہو اور وہاں سے منتقل ہونے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو۔ فقہاء نے وطن کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے، تاہم وطنِ اصلی کی تعریف، اس کے قیام، اس کے زائل ہونے کی شرائط اور اس پر مرتب ہونے والے احکام، خاص طور پر قصر نماز میں ائمہ کے مابین اجتہادی اختلاف پایا جاتا ہے۔

ذیل میں چاروں مذاہب کے موقف کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

احناف کا نقطہ نظر

حنفیہ کے نزدیک وطنِ اصلی کی بنیاد پیدائش، نکاح یا دائمی قیام کی نیت پر ہے۔ علامہ سرخسیؒ نے المبسوط میں اس کی تعریف یوں کی ہے: الْوَطَنُ الْأَصْلِيُّ هُوَ مَوْضِعُ وِلَادَتِهِ أَوْ تَأَهُّلِهِ أَوْ عَزَمَ عَلَى الْإِقَامَةِ فِيهِ أَبَدًا[10] علامہ ابنِ عابدین شامیؒ نے رد المحتار میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا: الْوَطَنُ الْأَصْلِيُّ: هُوَ وَطَنُ الْوِلَادَةِ أَوِ التَّأَهُّلِ أَوْ نِيَّةِ الْإِقَامَةِ الْمُطْلَقَةِ الَّتِي لَا تَتَقَيَّدُ بِوَقْتٍ[11]

اصولی موقف: احناف کے نزدیک جب تک انسان ایک نئے وطنِ اصلی کو مکمل طور پر اختیار نہ کر لے، اس کا پہلا وطنِ اصلی ختم نہیں ہوتا۔

---

[10] السرخسي، المبسوط، دار المعرفة، بيروت، ١۴١۴ھ، ج١، ص٢٣٨،

[11] ابن عابدين، رد المحتار على الدر المختار، دار الفكر، بيروت، ١۴١٢ھ، ج٢، ص١٣١،

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کے نزدیک وطنِ اصلی کی بنیاد 'رجوع' (واپسی) کے ارادے پر ہے۔ امام دردیرؒ نے الشرح الکبیر میں لکھا ہے: الْوَطَنُ الْأَصْلِيُّ: هُوَ الْمَحَلُّ الَّذِي يَقْصِدُ الشَّخْصُ الرُّجُوعَ إِلَيْهِ بَعْدَ أَسْفَارِهِ وَإِنْ طَالَتْ غَيْبَتُهُ عَنْهُ[12] یعنی وہ جگہ جہاں انسان اپنے تمام اسفار کے بعد بالآخر واپس لوٹنے کی نیت رکھتا ہو، وہی اس کا وطنِ اصلی کہلائے گا، خواہ وہ وہاں سے کتنا ہی عرصہ دور کیوں نہ رہے۔

شوافع کی تعریف

شوافع کے نزدیک وطن کے ثبوت کے لیے 'نیتِ استیطان' (مستقل بسنے کا قصد) شرط ہے۔ امام نوویؒ نے المجموع میں صراحت کی ہے: الْوَطَنُ الَّذِي يَصِيرُ بِهِ مُقِيمًا هُوَ الْبَلَدُ الَّذِي يَسْكُنُهُ عَلَى قَصْدِ الِاسْتِيطَانِ وَالتَّأَهُّلِ فِيهِ، لَا بِقَصْدِ السَّفَرِ وَالِانْتِقَالِ[13] شوافع کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ان کے ہاں ایک شخص کے بیک وقت دو وطنِ اصلی ہو سکتے ہیں۔ علامہ شمس الدین رملیؒ نے لکھا ہے کہ: يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ لِلشَّخْصِ وَطَنَانِ أَصْلِيَّانِ إِذَا اسْتَوْطَنَ بَلَدَيْنِ وَتَأَهَّلَ فِيهِمَا[14]

حنابلہ کا موقف

حنابلہ کے نزدیک فعلی سکونت اور استقرار وطنِ اصلی کا معیار ہے۔ ابنِ قدامہؒ نے المغنی میں لکھا ہے: وَطَنُهُ: الْمَوْضِعُ الَّذِي يَسْكُنُهُ وَيَسْتَوْطِنُهُ، فَإِذَا سَافَرَ مِنْهُ ثُمَّ عَادَ إِلَيْهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ الْقَصْرُ[15] حنابلہ نے خانہ بدوشوں (اہلِ بادیہ) کے احکام کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ علامہ مرداویؒ الإنصاف میں فرماتے ہیں: أَهْلُ الْبَادِيَةِ الَّذِينَ يَنْتَقِلُونَ مَعَ الْكَلَإِ، وَطَنُهُمُ الْمَوْضِعُ الَّذِي حَلُّوا فِيهِ، فَإِذَا ظَعَنُوا مِنْهُ قَصَرُوا إِنْ كَانَتِ الْمَسَافَةُ تَبْلُغُ مَسَافَةَ الْقَصْرِ[16]
ان تعریفات کا جائزہ لے کے بعد یہ نیجہ سامنے آتا ہے کہ تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ وطنِ اصلی کا مدار استقرار اور دوام پر ہے۔ محض سیر و سیاحت یا عارضی قیام سے وطنِ اصلی کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔ تاہم ائمہ کے درمیان اصل اختلاف استقرار کے معیار پر ہے۔ احناف نے خاندانی وابستگی یعنی پیدائش یا نکاح کو اہمیت دی، مالکیہ نے اس وطن کو وطن اصلی قرار دیا جہاں انسان سفر کے بعد چاہے لمبے عرصے کے بعد ہی کیوں نہ ہو لوٹنے کا ارادہ کھتا ہو، شوافع کے ہاں امتیازی اور سب سے منفرد بات دو جگہوں کو اپنا وطن اصلی ماننا ہے، جبکہ حنابلہ نے اس بات کو ترجیح دی کہ جس جگہ کو انسان اپنا سکونت اختیار کر لے وہی اس کا وطن اصلی کہلائے گا۔

[12] الدردير، الشرح الكبير على مختصر خليل، مع حاشية الدسوقي، دار الفكر، بيروت ،ج١، ص٣٥
[13] النووي، المجموع شرح المهذب، دار الفكر، بيروت ، ج٤، ص٣٥٦،
[14] الرملي، نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، دار الفكر، بيروت، ١٤٠٤هـ ، ج٢، ص٢٦٤،
[15] ابن قدامة، المغني، ج٢، ص٢٦٥، مكتبة القاهرة، ١٣٨٨هـ
[16] المرداوي، الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف، دار إحياء التراث العربي، بيروت، ١٤١٩،ج٢، ص٣٤٣،

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

صحابۂ کرام کا مدینہ سے مکہ جاتے وقت نماز کا عمل

وطنِ اصلی اور قصرِ نماز کی بحث میں ایک نہایت اہم تاریخی مثال صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل ہے۔ مدینۂ منورہ سے مکۂ مکرمہ کے درمیان کا فاصلہ تقریباً چار سے پانچ دن کی مسافت پر محیط ہے جو تمام فقہاء کے نزدیک شرعی سفر کی مسافت سے زیادہ ہے۔ تاہم صحابۂ کرام کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف پایا جاتا تھا کہ مکہ پہنچ کر نماز پوری پڑھی جائے یا قصر کی جائے، کیونکہ بعض صحابہ کا وطنِ اصلی مکہ تھا اور انہوں نے صرف ہجرت کر کے مدینہ کو مسکن بنایا تھا۔

الف: جن صحابہ نے مکہ میں نماز پوری پڑھی اور اس کی وجہ

۱۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: حضرت عثمان نے حجۃ الوداع اور دیگر مواقع پر مکہ اور منیٰ میں چار رکعت پوری نماز پڑھی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ آپ نے مکہ میں قیام کی نیت کر لی تھی، بعض روایات میں ہے کہ آپ کی اہلیہ مکہ میں مقیم تھیں جس کی وجہ سے آپ نے وہاں اقامت کا ارادہ کیا اور اتمام فرمایا۔ یہ واقعہ طحاوی نے شرح میں نقل کیا ہے[17]۔

اس تاریخی تبدیلی اور عملِ عثمان کی گواہی دیتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خود نبی کریم ﷺ، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے ساتھ منیٰ میں دو ہی رکعتیں پڑھیں، اور حضرت عثمان کے دورِ خلافت کے ابتدائی حصے میں بھی ایسا ہی کیا، مگر بعد میں حضرت عثمان نے نماز پوری پڑھنا شروع کر دی۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔

> عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ إِمَارَتِهِ، ثُمَّ أَتَمَّهَا[18]
>
> حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی، اور ابو بکر اور عمر کے ساتھ بھی، اور عثمان کے ساتھ بھی ان کی امارت کے ابتدائی دور میں، پھر انہوں نے اسے پورا چار رکعت پڑھنا شروع کر دیا۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: حضرت عائشہ نے سفر میں بھی نماز مکمل پڑھی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ قصر ایک رخصت ہے واجب نہیں، اس لیے جو چاہے پوری نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس پر ان کی بنیادی دلیل وہ روایت ہے جس میں نماز کی ابتدائی فرضیت کا ذکر ہے۔

چنانچہ ان کے اس اجتہاد اور تاویل کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ائمہ حدیث نے یہ روایت نقل کی ہے۔

> أَنَّ الصَّلَاةَ أَوَّلَ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَيْنِ فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ- قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ: مَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ فِي السَّفَرِ؟ قَالَ: إِنَّهَا تَأَوَّلَتْ كَمَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ[19]

---

[17] ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامتہ الطحاوی، شرح معانی الآثار، تصحیح: محمد زہری النجار، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ، ج۱: ص ۴۲۰

[18] صحیح البخاری، باب الصلاۃ بمنی، (دار ابن کثیر، دمشق، طبعہ خامسہ، ۱۴۱۴ھ – ۱۹۹۳م) ,ح ۱۰۳۶

[19] صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، باب صلاۃ المسافرین وقصرھا، (دار الطباعۃ العامرۃ، ترکی، ۱۳۳۴؛)، ح ۶۸۵

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

نماز جب پہلی بار فرض کی گئی تو دو دو رکعت تھی، پھر سفر کی نماز اسی حالت پر برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز پوری چار کر دی گئی۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے عروہ سے پوچھا: عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیا ہوا کہ وہ سفر میں نماز پوری پڑھتی ہیں؟

انہوں نے جواب دیا: انہوں نے اس معاملے میں اسی طرح تاویل سے کام لیا جس طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے تاویل کی تھی۔

ب: جن صحابہ نے مکہ میں قصر پڑھی اور اس کی وجہ

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: ابنِ عمر ہر سفر میں، خواہ مکہ ہو یا کہیں اور، ہمیشہ قصر کرتے تھے اور مکہ میں بھی قصر کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ ان کا مؤقف تھا کہ ہجرت کے بعد مکہ اب ان کا وطنِ اصلی نہیں رہا۔ وہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے مستقل عمل کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے تھے۔صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، فَكَانَ لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ، وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذَلِكَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ[20] میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں رہا، آپ ﷺ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اور ابو بکر، عمر اور عثمان کا بھی یہی معمول تھا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: ابنِ عباس نے بھی سفر میں قصر کا التزام کیا اور اپنے شاگردوں کو بھی یہی تعلیم دی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ مسافر کے لیے انفرادی حالت میں دو رکعت پڑھنا ہی اصل سنتِ نبوی ہے۔ چنانچہ جب ان سے مسافر کی نماز کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کی تائید فرمائی، جیسا کہ روایت میں ہے۔أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ: مَا بَالُ الْمُسَافِرِ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ حَالِ الِانْفِرَادِ وَأَرْبَعًا إِذَا ائْتَمَّ بِمُقِيمٍ؟ فَقَالَ: تِلْكَ السُّنَّةُ[21] حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: کیا وجہ ہے کہ مسافر جب تنہا نماز پڑھے تو دو رکعت پڑھتا ہے اور جب مقیم امام کے پیچھے پڑھے تو چار رکعت پڑھتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: یہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ وطنِ اصلی کے حوالے سے فقہائے کرام کے مابین جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی جڑ دراصل ایک بنیادی سوال میں پیوست ہے کہ کسی جگہ سے انسان کا تعلق کس چیز سے ثابت ہوتا ہے، خاندانی وابستگی سے، واپسی کے ارادے سے، نیتِ استیطان سے، یا فعلی سکونت سے۔ احناف نے پیدائش اور نکاح کو بنیاد بنایا، مالکیہ نے واپسی کے ارادے کو، شوافع نے مستقل بسنے کے قصد کو اور حنابلہ نے عملی سکونت و استقرار کو معیار ٹھہرایا۔ شوافع کا یہ موقف کہ ایک شخص کے بیک وقت دو وطنِ اصلی ہو سکتے ہیں، جدید دور میں خاصا عملی اہمیت کا حامل ہے جہاں لوگ دو شہروں یا دو ملکوں میں یکساں طور پر آباد ہوتے ہیں۔

صحابۂ کرام کے عمل سے اس بحث کا عملی پہلو اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا مکہ میں اتمام کرنا اور ابنِ عمر و ابنِ عباس رضی اللہ عنہم کا قصر پر قائم رہنا دراصل اسی وطنِ اصلی کے اختلاف کا عملی اظہار ہے۔ جن صحابہ نے مکہ کو اب بھی اپنا وطن سمجھا انہوں نے اتمام کیا، اور جنہوں نے ہجرت کے بعد مدینہ کو اصل وطن قرار دیا انہوں نے قصر پر اکتفا کیا۔ یہ اختلاف کسی غلطی یا تساہل کا نتیجہ نہیں بلکہ ہر ایک کی اجتہادی بصیرت اور فہمِ نصوص کا مظہر ہے۔

---

[20] صحيح البخاري، محمد بن اسماعيل، باب من لم يتطوع في السفر دبر الصلاة وقبلها،ح ١٠١٥

[21] محمد ناصر الدين الألباني، إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل (بيروت: المكتب الإسلامي) ج٣، ص ٣١، رقم الحديث ٥٧١.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

جدید کاروباری صورتوں میں سفر کے احکام

جدید معاشی زندگی نے سفر کی ایسی صورتیں پیدا کی ہیں جو کہ پرانے دور میں موجود نہیں تھی اور یہی وجہ ہے کہ کہ ان صورتوں کہ کلاسیکی فقہ میں براہِ راست جواب تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے تاہم رہنمائی ضرور ملتی ہے۔ پیشہ ور ڈرائیور، بہت زیادہ سفر کرنے والے تاجر، اور بیک وقت کئی جگہوں پر کاروبار رکھنے والے افراد، یہ سب ایسی وہ نئی اقسام ہیں ہیں کہ جن پر دور حاضر کی ضرورت کے مطابق فقہی اجتہاد درکار ہے۔ ذیل میں تینوں صورتوں کا الگ الگ جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پیشہ ور ڈرائیور

دور حاضر کے نقل و حمل اور بہت ساری ضروریات نے ایسا طبقہ پیدا کیا ہے جن کی زندگی کا بیشتر حصہ سڑکوں اور سفر میں گزرتا ہے۔ پیشہ ور ڈرائیور، خواہ وہ طویل مسافت طے کرنے والے ٹرک ڈرائیور ہوں، بین الاضلاعی بسوں کے پائلٹ ہوں یا آن لائن ٹیکسی سروسز سے وابستہ افراد، ان کے لیے سفر محض ایک عارضی ضرورت نہیں بلکہ ایک مستقل پیشہ بن چکا ہے۔ اس صورت حال میں ایک اہم فقہی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ شخص جو روزانہ کی بنیاد پر مسافتِ سفر طے کرتا ہے اور جس کا پیشہ ہی سفر ہو، وہ شرعی رخصتوں (قصر و جمع) کا حقدار رہے گا یا سفر کے مستقل معمول بن جانے سے یہ رخصتیں ختم ہو جائیں گی؟ ذیل میں کلاسیکی اور معاصر فقہی اقوال کا جائزہ لیا جائے گا۔

قدیم فقہ میں قیاسی بنیاد: ملاح کا مسئلہ

قدیم فقہاء نے اس سے ملتی جلتی صورت کشتی چلانے والے شخص (ملاح) کے حوالے سے زیر بحث لائی ہے۔ امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے: وكذلك الملاح الذي له مكان في البر يسكنه ------ فإنهم يقصرون[22] یعنی اگر ملاح کا کشتی کے علاوہ گھر ہو جہاں وہ رہائش پذیر ہو تو وہ قصر کرے گا

معاصر علماء کا موقف

شیخ ابنِ عثیمین کے فتاویٰ میں ذکر ہے کہ جب ان سے ڈرائیور کے حوالے سے سوال ہوا کہ ان پر رمضان میں دن کے وقت گاڑی چلاتے ہوئے سفر کے احکام لاگو ہونگے یا نہیں تو انہوں نے فرمایا: نعم ينطبق حكم السفر عليهم فلهم القصر، والجمع، والفطر، أما السائقون داخل المدن فليس لهم حكم المسافر ويجب عليهم الصوم[23] ان کے اوپر سفر کے احکام لاگو ہونگے وہ قصر اور جمع کر سکتے ہیں، اور افطار کر سکتے ہیں، تاہم شہر کے اندر کے ڈرائیور پر مسافر کا حکم لاگو نہیں ہوتا وہ روزہ رکھے گا۔ اسی طرح شیخ ابن بازؒ نے اپنے فتاویٰ میں ڈرائیور سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ:

[22] ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم. مجموع الفتاوى. (المدينة المنورة: ١٤٢٥هـ - ٢٠٠٤م)، ج ٢٥، ص ٢١٣

[23] العثيمين، محمد بن صالح .مجموع *فتاوى ورسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين* (الرياض: دار الوطن - دار الثريا، ١٤٠٧ - ١٤٣٨ هـ)، ج ١٥ ص ٣٦٣

هؤلاء في حكم المسافرين، ويشرع لهم قصر الصلاة[24] یہ لوگ مسافر کے حکم میں ہیں اور ان کے لئے قصر کرنا مشروع ہے سعودی عرب کے مستند فتاوی میں بھی یہی قول ذکر ہے کہ:ویجوز لسائق سيارة الأجرة أو غيره أن يصليها قصرا[25] ٹیکسی چلانے والے ڈرائیور کے لئے بھی قصر کرنا جائز ہے جب وہ مقرر کردہ سفر کو طے کرے۔

خلاصہِ کلام یہ ہے کہ جمہور معاصر فقہاء اور معتبر افتاء کمیٹیوں کے نزدیک سفر کا "پیشہ "بن جانا رخصتِ سفر کے منافی نہیں ہے۔ جس طرح قدیم دور میں وہ ملاح جس کا گھر خشکی پر ہو، دورانِ سفر قصر کرتا تھا، اسی طرح جدید دور کے پیشہ ور ڈرائیور بھی جب اپنے شہر کی حدود سے نکل کر شرعی سفر کی مسافت پر روانہ ہوں گے، تو وہ شرعاً مسافر ہی شمار ہوں گے۔ ان کے لیے نماز میں قصر کرنا، دو نمازوں کو جمع کرنا اور رمضان المبارک میں روزہ مؤخر کرنے کی سہولت برقرار رہے گی۔ تاہم یہ رخصت صرف اسی صورت میں ہے جب وہ شہر سے باہر سفر پر ہوں؛ شہر کی حدود کے اندر گاڑی چلانے والے ڈرائیور مقیم ہی کے حکم میں ہوں گے اور ان پر مکمل نماز اور روزہ فرض ہو گا۔ کیونکہ وہ شرعی طور پر سفر میں نہیں ہیں۔

کثیر الاسفار تاجر

سفر سے متعلقہ دور حاضر کا ایک اور اہم مسئلہ ان تاجروں کے لئے ہے کہ جو بہت زیادہ سفر کرتے ہیں کہ آیا ان کے اوپر سفر کے تمام تر احکام لاگو ہونگے یا نہیں ؟

قدیم اصول

سفر میں نیت کے حوالے سے اصولی مؤقف یہ ہے کہ انسان اگر ۱۵ دن سے کم کی نیت کرلے تو وہ مسافر رہے گا، ہدایہ میں لکھا ہے:ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوما أو أكثر وإن نوى أقل من ذلك قصر [26]"اور وہ شخص سفر کے حکم پر تب تک قائم رہے گا جب تک وہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کرنے کی نیت نہ کرلے۔ اگر وہ اس سے کم قیام کرنے کی نیت کرے گا تو وہ قصر کرے گا"امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبلؒ کے کاہاں سفر کے لئے ۴ دن کی نیت ہے اس سے زیادہ سفر میں قصر نہیں ہو گی۔

معاصر علماء کا مؤقف

مسافر کے احکام کے حوالے سے ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے لکھا ہے:يظل للمسافر حق القصر ما لم ينو الإقامة في بلد مدة معينة[27] جب تک مسافر کسی شہر میں خاص مدت کے قیام کی نیت نہ کرلے، تب تک اس کے لئے قصر کا حق باقی رہے گا۔ اسی طرح ابن عثیمین کے فتاوی میں لکھا ہے:قصر

---

[24] عبد العزيز بن عبد الله بن عبد الرحمن ابن باز، مجموع فتاوى ومقالات متنوعة، تحقيق محمد بن سعد الشويعر (الرياض: رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء بالمملكة العربية السعودية)، ج ١٢، ص ٢٦٩

[25] اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء، فتاوى اللجنة الدائمة - المجموعة الأولى، جمع وترتيب أحمد بن عبد الرزاق الدويش (الرياض: رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء - الإدارة العامة للطبع)، ج ٨، ص ٩٠، ٩١

[26] برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الرشداني المرغيناني، الهداية في شرح بداية المبتدي، الطبعة الأولى (بيروت - لبنان: دار إحياء التراث العربي، ١٤٢٥هـ - ٢٠٠٤م)، ج١، ص ٨٠

[27] وهبة بن مصطفى الزحيلي، الفقه الإسلامي وأدلته، الطبعة الرابعة المنقحة المعدلة (دمشق: دار الفكر، د.ت)، ج ٢، ص ١٣٤٧

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

الصلاة متعلق بالسفر فما دام الإنسان مسافراً فإنه يشرع له قصر الصلاة، سواء كان سفره نادراً أم دائماً[28] **نماز کے قصر کا تعلق** سفر کے ساتھ ہے پس جب تک انسان سفر میں ہو اس کے لئے قصر درست ہے، اس سے قطع نظر کہ وہ کبھی کبھی سفر کرتا ہے یا مستقل۔

متعدد مقامات پر گھر یا دفتر رکھنے والے کا حکم:

عصرِ حاضر کی معاشی ترقی اور کاروباری وسعت نے نقل مکانی اور سکونت کے ایسے نئے نمونے متعارف کروائے ہیں جو ماضی میں شاذ و نادر تھے۔ آج کا تاجر یا پیشہ ور شخص بسا اوقات اپنی سہولت یا خاندانی ضرورت کے تحت ایک سے زائد شہروں میں مستقل بنیادوں پر گھر رکھتا ہے، یا پھر مختلف شہروں میں دفاتر قائم کر کے وہاں عارضی قیام کرتا ہے۔ فقہی نقطہ نظر سے اس صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ شریعت میں "وطن" کی اقسام کیا ہیں اور کسی جگہ کی "وطنیت" کن شرائط سے ثابت ہوتی ہے۔ امام کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں اس حوالے سے لکھا ہے کہ: ثم الوطن الأصلي يجوز أن يكون واحدا أو أكثر من ذلك بأن كان له أهل ودار في بلدتين أو أكثر[29] پھر وطنِ اصلی ایک بھی ہو سکتا ہے اور اس سے زیادہ بھی، اس صورت میں کہ ایک شخص کے اہل (بیوی بچے) اور گھر دو یا دو سے زیادہ شہروں میں ہوں۔ اسی طرح ابن عابدین نے رد المحتار میں ذکر کیا ہے کہ: ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخلها صار مقيما[30] اگر کسی شخص کے دو شہروں میں اہل و عیال ہوں، تو وہ جس میں بھی داخل ہو گا اس سے مقیم سمجھا جائے گا۔

ان بنیادی اقوال کی روشنی میں جدید کاروباری صورتوں کا تجزیہ درج ذیل نکات میں کیا جا سکتا ہے:

وطنِ اصلی کا تعدد اور اس کا حکم : اگر کوئی کاروباری شخص کراچی اور لاہور دونوں جگہوں پر مستقل گھر رکھتا ہے اور دونوں مقامات پر اس کے اہل و عیال مقیم ہیں، تو شرعی اعتبار سے یہ دونوں اس کے وطنِ اصلی ہیں۔ ایسا شخص جب ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہو گا تو دورانِ سفر مسافر ہو گا، لیکن جیسے ہی اپنے دوسرے شہر کی حدود میں داخل ہو گا، وہ مقیم بن جائے گا اور پوری نماز پڑھے گا، چاہے وہاں اس کا قیام چند گھنٹوں کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔

وطنِ اصلی کی تبدیلی: ایک وطنِ اصلی اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک انسان مکمل طور پر وہاں سے نقل مکانی کر کے کسی دوسرے شہر کو مستقل وطن نہ بنا لے۔ محض دوسرے شہر میں کاروبار کی سہولت کے لیے گھر لینا پہلے وطنِ اصلی کو ختم نہیں کرتا۔

تجارتی دفاتر، جائیداد اور وطنِ اصلی میں فرق (اہم وضاحت) : یہاں یہ نکتہ نہایت اہم ہے کہ وطنِ اصلی کے تعدد کے لیے محض کسی شہر میں اپنا دفتر، ملکیتی فیکٹری یا خالی مکان کا ہونا کافی نہیں، بلکہ فقہاء کی اصطلاح میں 'تاہل' (اہل و عیال کا رہائش پذیر ہونا) شرط ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا۔ اگر کسی

---

[28] العثيمين، مجموع فتاوى ورسائل العثيمين، جمع السليمان، ج ١٥: ص ٢٦٤

[29] علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، الطبعة الأولى (مصر: مطبعة شركة المطبوعات العلمية؛١٣٢٧-١٣٢٨هـ)، ج١، ص ١٠٣

[30] محمد أمين ابن عابدين، حاشية رد المحتار على الدر المختار، الطبعة الثانية (مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده، ١٣٨٦هـ - ١٩٦٦م)، ج٢ ص ١٣١

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

شخص کے بہت سارے شہروں میں بھی تجارتی دفاتر یا مکانات ہوں لیکن اہل وعیال صرف ایک جگہ ہوں، تو وطنِ اصلی صرف وہی ایک شہر کہلائے گا۔ باقی شہروں میں وہ تبھی مقیم ہو گا جب وہاں ۱۵ دن ٹھہرنے کی نیت کرے، ورنہ وہ مسافر ہی رہے گا۔

سسرال اور وطن اقامت

سسرال کے حوالے سے کئی اقوال اور آراء پائی جاتی ہیں جن میں مشہور قول وطن اصلی نہ ہونے کا ہے اور وہاں پر قصر ہی ہو گا۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں لکھا ہے: وكذلك إن كان له بشيء منها ذو قرابة، أو أصهار، أو زوجة ولم ينو المقام في شيء من هذه أربعا قصر إن شاء[31] اسی طرح اگر ان مقامات میں اس کے رشتہ دار ہوں، یا سسرالی تعلقات ہوں، یا بیوی ہو، اور وہ ان میں سے کسی جگہ چار دن قیام کی نیت نہ کرے، تو وہ چاہے تو قصر کرے۔ اس کی بنیاد امام شافعیؒ نے فتح مکہ کے موقع پر صحابہ کے عمل کو بنایا ہے جہاں بہت سارے صحابہ کے مکہ میں گھر تھے مگر کسی کو بھی نبی علیہ السلام نے نماز مکمل کرنے کا نہیں کہا۔ علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں لکھا ہے: ولو تزوج المسافر ببلد ولم ينو الإقامة به فقيل لا يصير مقيما[32] اسی طرح بیٹے سے متعلق (جس کے والدین اس کی پیدائش کے علاوہ شہر میں ہوں) لکھا ہے کہ: ولم يتأهل به فليس ذلك وطنا له إلا إذا عزم على القرار فيه وترك الوطن الذي كان له قبله[33] اور اگر اس نے وہاں اپنا مستقل مسکن نہیں بنایا، تو وہ جگہ اس کے لیے وطن شمار نہیں ہو گی، الا یہ کہ وہ وہاں مستقل طور پر رہنے کا پختہ ارادہ کرلے اور اپنے پہلے والے وطن کو ترک کر دے۔ اسی طرح دبیان الدبیان نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے:

> أن الرجل إذا لم يتخذ وطن زوجته مسكنا له، بل يأتيه زائرا، ثم يعود إلى وطنه ومحل إقامته فهذا له أن يقصر إذا دخل بلد زوجه[34]
>
> بلاشبہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے شہر کو اپنا مستقل مسکن نہ بنائے، بلکہ وہاں بطورِ مہمان (وقتی طور پر) آتا ہو، پھر اپنے اصل وطن اور جائے اقامت کی طرف واپس چلا جاتا ہو، تو ایسے شخص کے لیے جائز ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کے شہر میں داخل ہو تو نماز قصر کرے۔

ان اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سسرال محض نکاح کے رشتے کی بنیاد پر خود بخود وطنِ اصلی نہیں بن جاتا۔ شریعت میں وطنیت کا دارومدار کسی جگہ محض رشتہ داروں کی موجودگی پر نہیں جیسا کہ ابن عابدین کے قول سے ظاہر ہے، بلکہ وہاں مستقل سکونت کی نیت اور اسے اپنا مستقل مسکن بنانے پر ہے۔ لہٰذا جب تک کوئی شخص اپنے سسرال میں مستقل رہنے کا پختہ ارادہ نہ کرلے، شرعی طور پر وہ وہاں صرف مسافر ہی شمار ہو گا اور مسافرانہ دوری کی صورت میں نماز قصر ہی ادا کرے گا۔ یہی موقف اصولِ فقہ اور احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔

---

[31] أبو عبد الله محمد بن إدريس الشافعي، الأم، الطبعة الثانية (بيروت: دار الفكر، ١٤٠٣هـ - ١٩٨٣م)، ج ١، ص ٢١٦

[32] ابن عابدين، رد المحتار، ج ٢، ص ١٣١

[33] ابن عابدين، رد المحتار، ج ٢، ص ١٣٢

[34] أبو عمر دبيان بن محمد الدبيان، موسوعة أحكام الصلوات الخمس، الطبعة الأولى (المنصورة - مصر: دار اللؤلؤة للنشر والتوزيع، ١٤٤٦هـ - ٢٠٢٤م)، ج ١٨، ص ٢٥٠

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

عصری علماء کے رجحانات

سفر کے احکام سے متعلق جدید فقہی سوالات کا جواب دینے میں عصرِ حاضر کے علماء نے کلاسیکی فقہ کے اصولوں کو بنیاد بناتے ہوئے نئے حالات پر ان کا اطلاق کیا ہے۔ ذیل میں چند نمایاں علماء اور معتبر اداروں کے رجحانات پیش کیے جاتے ہیں۔

شیخ محمد بن صالح ابنِ عثیمینؒ

ابنِ عثیمین کا منہج اس مسئلے میں بہت واضح ہے وہ رخصتِ سفر کو سفر کی نوعیت (پیشہ یا غیر پیشہ) سے نہیں بلکہ مسافت اور نیتِ اقامت سے جوڑتے ہیں۔ پیشہ ور ڈرائیور کے بارے میں ان کا فتویٰ یہ ہے کہ شہر سے باہر سفر کرنے والے ڈرائیوروں پر سفر کے احکام پوری طرح لاگو ہوتے ہیں: نعم ينطبق حكم السفر عليهم فلهم القصر، والجمع، والفطر، أما السائقون داخل المدن فليس لهم حكم المسافر ويجب عليهم الصوم[35] ان کے اوپر سفر کے احکام لاگو ہونگے، وہ قصر اور جمع کر سکتے ہیں، اور افطار کر سکتے ہیں۔ تاہم شہر کے اندر کے ڈرائیور پر مسافر کا حکم لاگو نہیں ہوتا۔ کثیر الاسفار تاجر کے بارے میں ان کا موقف یہ ہے کہ سفر کا مستقل عادت بن جانا رخصت کو ختم نہیں کرتا: قصر الصلاة متعلق بالسفر فما دام الإنسان مسافراً فإنه يشرع له قصر الصلاة، سواء كان سفره نادراً أم دائماً[36] نماز کے قصر کا تعلق سفر کے ساتھ ہے۔ جب تک انسان سفر میں ہو اس کے لیے قصر درست ہے، خواہ وہ کبھی کبھار سفر کرے یا مستقل۔

شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ ابنِ بازؒ

شیخ ابنِ باز کا موقف بھی جمہور عصری علماء کے ہم آہنگ ہے۔ انہوں نے ڈرائیوروں کے بارے میں صراحت سے لکھا: هؤلاء في حكم المسافرين، ويشرع لهم قصر الصلاة[37] یہ لوگ مسافر کے حکم میں ہیں اور ان کے لیے قصر کرنا مشروع ہے۔ ابنِ باز نے اپنے فتاوی میں یہ اصول بھی واضح کیا ہے کہ رخصتِ سفر اللہ کی طرف سے بندے کے لیے سہولت ہے، اس لیے محض اس بنیاد پر اسے ختم نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی شخص سفر کا عادی ہو گیا ہے۔

لجنہ دائمہ للبحوث العلمیہ والافتاء

سعودی عرب کا یہ مستند فتویٰ ادارہ عصری سوالات کے جوابات میں قابلِ اعتماد حوالہ سمجھا جاتا ہے۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں صریح فتویٰ دیا: ويجوز لسائق سيارة الأجرة أو غيره أن يصليها قصرا ٹیکسی چلانے والے ڈرائیور کے لیے قصر کرنا جائز ہے جب وہ مقررہ شرعی مسافت کا

---

[35] العثيمين، محمد بن صالح .مجموع *فتاوى ورسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين* (الرياض: دار الوطن - دار الثريا، ١٤٠٧ - ١٤٣٨ ھ)، ج ١٥ ص ٣٦٣

[36] العثيمين، مجموع فتاوى ورسائل العثيمين، جمع السليمان، ج ١٥: ص ٢٦٤

[37] عبد العزيز بن عبد الله بن عبد الرحمن ابن باز، مجموع فتاوى ومقالات متنوعة، تحقيق محمد بن سعد الشويعر (الرياض: رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء بالمملكة العربية السعودية)، ج ١٢، ص ٢٦٩

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

سفر طے کرے۔ لجنہ دائمہ کا مجموعی رجحان یہ ہے کہ سفر کے احکام مسافت اور نیتِ اقامت پر منحصر ہیں، پیشے کی نوعیت پر نہیں۔ یہ اصول جدید ذرائع نقل و حمل کے سبھی پیشہ وروں پر یکساں لاگو ہوتا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ

ڈاکٹر وہبہ زحیلی کا رجحان اس مسئلے میں "نیتِ اقامت" کی وضاحت پر مبنی ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ سفر کا حکم صرف چلنے سے ختم نہیں ہوتا، بلکہ ایک جگہ رک کر وہاں مستقل ٹھہرنے کے ارادے سے ختم ہوتا ہے۔ ان کا قول ہے: يظل للمسافر حق القصر ما لم ينو الإقامة في بلد مدة معينة[38] جب تک مسافر کسی شہر میں خاص مدت کے قیام کی نیت نہ کر لے، تب تک اس کے لیے قصر کا حق باقی رہے گا۔" ڈاکٹر وہبہ زحیلی اس نکتے کو واضح کر رہے ہیں کہ ایک شخص چاہے کتنا ہی عرصہ گھر سے دور رہے، اگر اس نے کسی ایک جگہ پر شرعی طور پر مقررہ مدت تک رکنے کی پختہ نیت نہیں کی، تو وہ بدستور مسافر ہی کہلائے گا۔ اس کے اطلاقات عصرِ حاضر میں درج ذیل صورتوں پر ہوتے ہیں:

پیشہ ورانہ سفر : اگر کوئی ڈرائیور یا پائلٹ ایک شہر سے دوسرے شہر جاتا ہے اور وہاں اسے یہ معلوم نہیں کہ اسے کتنی دیر رکنا ہے (یعنی واپسی کا وقت متعین نہیں یا کام ختم ہوتے ہی نکلنا ہے)، تو وہ قصر کرتا رہے گا۔

غیر یقینی قیام : اگر کوئی شخص کسی کام سے دوسرے شہر جائے اور اسے روزانہ یہ لگے کہ کام کل ختم ہو جائے گا اور وہ واپس چلا جائے گا، تو ایسی صورت میں وہ نیتِ اقامت نہ ہونے کی وجہ سے طویل عرصے تک بھی قصر کر سکتا ہے۔

عصری علماء کے مجموعی رجحانات کو ان نکات میں سمیٹا جا سکتا ہے:

رخصتِ سفر کا تعلق پیشے سے نہیں، شرعی مسافت اور نیتِ اقامت سے ہے۔ خواہ سفر معمول کا حصہ ہو یا غیر معمول کا، حکم یکساں رہتا ہے۔

وطنِ اصلی کا تعدد ممکن ہے، لیکن اس کے لیے محض جائیداد یا دفتر کا ہونا کافی نہیں، اہل و عیال کا وہاں مستقل رہائش پذیر ہونا ضروری ہے۔

سسرال بجائے خود وطنِ اصلی نہیں بنتا، اس کے لیے مستقل سکونت کی نیت شرط ہے۔

عصری علماء نے اپنے فتاویٰ میں عرف (معاشرتی رواج) اور تغیرِ احوال کو ملحوظ رکھا ہے، مگر قدیم فقہ کے بنیادی اصولوں سے انحراف نہیں کیا۔

نتائج

اس مقالے میں احکامِ سفر کے حوالے سے چند بنیادی سوالات کا جائزہ لیا گیا، جن کا تعلق وطنِ اصلی کی تعریف، جدید کاروباری صورتوں میں مسافر کے احکام، اور سسرال کی فقہی حیثیت سے ہے۔ ان تمام مسائل پر کلاسیکی فقہاء کی آراء اور عصری علماء کے رجحانات سامنے آنے کے بعد چند اہم نتائج حاصل ہوئے۔

* مسافتِ سفر کے تعین میں فقہاء کا اختلاف اصولی نوعیت کا ہے۔ احناف نے وقت (تین دن) کو معیار بنایا جبکہ جمہور نے فاصلہ (سولہ فرسخ) کو۔ یہ اختلاف نصوص کی مختلف تعبیرات پر مبنی ہے اور دونوں طرف علمی وزن موجود ہے۔ عملی افتاء میں اپنے مذہب کے اصول کے مطابق عمل کرنا درست ہے۔

[38] وہبہ الزحيلي، الفقه الإسلامي وأدلته (دمشق: دار الفكر، ١٩٨٥)، جلد ٢، صفحہ ١٣٤٥

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

* وطنِ اصلی کی اصل بنیاد تمام مذاہب کے نزدیک استقرار اور دوام پر ہے فرق صرف اس کی تعریف کے معیار میں ہے۔ احناف نے خاندانی وابستگی کو، مالکیہ نے رجوع کے ارادے کو، شوافع نے نیتِ استیطان کو اور حنابلہ نے فعلی سکونت کو اصل قرار دیا۔ عصرِ حاضر کی پیچیدہ صورتوں میں شافعی مذہب کا یہ قول زیادہ لچک دار ہے کہ بیک وقت دو وطنِ اصلی ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ دونوں جگہ اہل وعیال مقیم ہوں۔

- جدید پیشہ ور ڈرائیور، بار بار سفر کرنے والے تاجر، اور متعدد مقامات پر گھر رکھنے والے افراد سبھی کے بارے میں معاصر علماء کا موقف یہ ہے کہ رخصتِ سفر کا دارومدار پیشے کی نوعیت پر نہیں بلکہ شرعی مسافت کو طے کرنے اور کسی جگہ نیتِ اقامت نہ کرنے پر ہے۔ ابنِ عثیمین، ابنِ باز، لجنہ دائمہ اور وہبہ زحیلی سبھی اس نکتے پر متفق ہیں۔
- سسرال محض نکاح کے رشتے سے وطنِ اصلی نہیں بنتا۔ جب تک وہاں مستقل سکونت اختیار کرنے کا پختہ ارادہ نہ ہو، مسافر وہاں قصر ہی کرے گا یہ موقف امام شافعی، ابنِ عابدین اور دبیان الدبیان سمیت جمہور کا ہے۔
- عصری علماء نے قدیم فقہ کے بنیادی اصولوں سے انحراف کیے بغیر تغیرِ احوال کو ملحوظ رکھا ہے اور یہی اجتہاد کا صحیح منہج ہے۔ نئے مسائل میں قیاس، عرف اور مقاصدِ شریعت کی روشنی میں فقہی موقف متعین کرنا اسی روایت کا تسلسل ہے۔

مصادر و مراجع

١. سورة النساء: ١٠١

٢. البخاري، محمد بن إسماعيل. صحيح البخاري. دار طوق النجاة، بيروت، ١٤٢٢ه.

٣. مسلم بن الحجاج. صحيح مسلم. دار الطباعة العامرة، تركى، ١٣٣٤ه.

٤. البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين. السنن الكبرىٰ. دار الكتب العلمية، بيروت، ٢٠٠٣م.

٥. ابن أبي شيبة، أبو بكر. الأدب. دار البشائر الإسلامية، بيروت، ١٤٢٠ه.

٦. الألباني، محمد ناصر الدين. إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل. المكتب الإسلامي، بيروت.

٧. الطحاوي، أبو جعفر أحمد بن محمد. شرح معاني الآثار. تصحيح: محمد زهري النجار. دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٤ه.

٨. السرخسي، محمد بن أحمد. المبسوط. دار المعرفة، بيروت، ١٤١٤ه.

٩. المرغيناني، برهان الدين علي بن أبي بكر. الهداية في شرح بداية المبتدي. دار إحياء التراث العربي، بيروت، ١٤٢٥ه.

١٠. الكاساني، علاء الدين أبو بكر بن مسعود. بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع. مطبعة شركة المطبوعات العلمية، مصر، ١٣٢٧-١٣٢٨ه.

١١. ابن عابدين، محمد أمين. حاشية رد المحتار على الدر المختار. شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده، مصر، ط٢، ١٣٨٦ه/ ١٩٦٦م.

١٢. ابن رشد الجد، محمد بن أحمد. المقدمات الممهدات. دار الغرب الإسلامي، بيروت، ١٤٠٨ه.

١٣. الدردير، أحمد بن محمد. الشرح الكبير على مختصر خليل (مع حاشية الدسوقي). دار الفكر، بيروت.

١٤. الشافعي، أبو عبد الله محمد بن إدريس. الأم. دار الفكر، بيروت، ط٢، ١٤٠٣هـ/ ١٩٨٣م.

١٥. النووي، يحيى بن شرف. المجموع شرح المهذب. دار الفكر، بيروت.

١٦. الرملي، شمس الدين محمد. نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج. دار الفكر، بيروت، ١٤٠٤هـ.

١٧. ابن قدامة، موفق الدين عبد الله. المغني. مكتبة القاهرة، ١٣٨٨هـ.

١٨. المرداوي، علاء الدين علي بن سليمان. الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف. دار إحياء التراث العربي، بيروت، ١٤١٩هـ.

١٩. ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم. مجموع الفتاوى. المدينة المنورة، ١٤٢٥هـ/ ٢٠٠٤م.

٢٠. ابن باز، عبد العزيز بن عبد الله. مجموع فتاوى ومقالات متنوعة. تحقيق: محمد بن سعد الشويعر. رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء، الرياض.

٢١. العثيمين، محمد بن صالح. مجموع فتاوى ورسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين. دار الوطن – دار الثريا، الرياض، ١٤٠٧-١٤٣٨هـ.

٢٢. اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء. فتاوى اللجنة الدائمة – المجموعة الأولى. جمع وترتيب: أحمد بن عبد الرزاق الدويش. رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء، الرياض.

٢٣. الزحيلي، وهبة بن مصطفى. الفقه الإسلامي وأدلته. ط٤. دار الفكر، دمشق.

٢٤. الدبيان، أبو عمر دبيان بن محمد. موسوعة أحكام الصلوات الخمس. ط١. دار اللؤلؤة للنشر والتوزيع، المنصورة، ١٤٤٦هـ/ ٢٠٢٤م.